ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

قصص القرآن میں انسانی اصلاح کے پہلو

ASPECTS OF HUMAN REFORMATION IN QASAS AL-QUR'AN

☆محمد علی یزدانی

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

The religion of Islam is the religion that started with Hazrat Adam and then ended with the Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him), gifted with the ability to distinguish between good and evil, but without guidance it is difficult to choose good and avoid evil. Therefore, Allah Almighty has not left man alone and abandoned in the world, but has sent His prophets to guide and train him, who call man to Allah Almighty, invite man to good and prevent him from evil, and man Warn for the Last Day. Allah Ta'ala sent His Messengers to every nation so that on the Day of Judgment no one could make an excuse that no one came to invite them to the true religion, due to which they wandered in the darkness of misguidance. As soon as the Prophets were sent, it was at this time when the distinction between truth and falsehood becomes impossible without divine revelation, and virtually the entire system of life comes under the control of falsehood instead of truth. In such a time, the truth can only be with the Prophet. Apart from this, some elements of truth can be found, but it is impossible to find the whole truth.

Keywords: *Religion, Messengers of Allah, Stories, Preaching.*

اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ، کلیہ اور دستور رہا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے رہبری اور رہنمائی کے لیے وہ اپنی طرف سے کچھ بندوں کا انبیاء و رسل کی شکل میں چناؤ فرماتا ہے، پھر ان انبیاء و رسل کے ذریعے قوموں کی اصلاح و فلاح کے لیے انتظام و بندوبست فرماتا ہے، یہ سلسلہ {فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى }[1] کی صورت میں شروع ہوا اور رسالت محمدی ﷺ کی شکل میں قیامت تک جاری و ساری رہے گا، ان انبیاء و رسل کا بنیادی مقصد انسانیت کو اللہ کا پیغام، اور توجہ الی اللہ مبذول کرانا ہے، جس کے لیے تمام انبیاء نے اپنی بھرپور طاقت کے مطابق کوشش کی، کچھ کو جواب کی صورت میں خاطر خواہ نتائج ملے تو کچھ کو کم، لیکن ان کے پائے استقلال اور جذبہ و ہمت میں کچھ کمی نہ آئی۔ لیکن سب کا بنیادی مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا یعنی اللہ کی رضا و مشیت والے کام کی طرف لوگوں کو شوق و ترغیب دینا اور نافرمانی و معصیت والے کاموں سے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کرنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی دستور ہے کہ کچھ اہلِ ایمان جس قدر سرچشمہ وحی سے دور ہوں گے اور ان کا دورِ رسالت سے زمانی فاصلہ جس قدر بڑھتا جائے گا وہ اسی قدر ناقص الایمان، سخت دل، دین سے ناواقف اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے جائیں گے۔ جس کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ کی صورت میں توجہ دلائی ہے:

{اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ}[2]

"کیا اہلِ ایمان کیلئے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد سے لرزنے لگیں، اور اُس حق سے جو نازل ہوا ہے، اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہوں جنہیں اُن سے پہلے کتاب دی گئی، پھر اُن پر طویل مدت گذری تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں"۔

اس آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسالت کا زمانی فاصلہ بڑھنے سے لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ پن آجاتا ہے اور لوگ اصل حق کو پہچاننے میں کوتاہی کرتے ہیں یا پھر سرے سے انکار ہی کر بیٹھتے ہیں۔ قرآن مجید جو قیامت تک کے لیے منبعٔ نور اور ذریعہ رشد و ہدایت ہے۔ اس میں لوگوں کے وہ تمام مسائل اور ان کا حل پیش کر دیا گیا جو قیامت تک آنے والوں کو پیش آمد ہوں گے۔

فرمان الٰہی ہے:

---

[1] البقرہ، ۲:۳۸

[2] الحدید، ۱۶:۵۷

{وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ}[1]

"اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلا رہے ہو"۔

فرمان الٰہی ہے:

{كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ}[2]

"تمام لوگ پہلے ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے خوشخبری سنانے اور ڈرانے کیلئے نبیوں کو بھیجا، اور اُن کے ہمراہ برحق کتاب نازل فرمائی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اُن چیزوں میں فیصلہ کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور کتاب میں بھی اُنہی لوگوں نے اختلاف پیدا کیا جنہیں وہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ اُن کے پاس واضح دلائل آچکے، ایسا آپس کی ضد بازی کی وجہ سے ہوا، سو ان اختلافی معاملات میں اللہ نے اپنے حکم سے اہلِ ایمان کو حق کی رہنمائی عطا فرمائی، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے"۔

باہمی بگاڑ، ضد و ہٹ دھرمی وہ محرکات ہیں جو دین کی راہ میں رکاوٹ ہیں، جس سے قوموں کی نشاۃِ ثانیہ اور اصلاح انگیزی کا عمل رک جاتا ہے، جس سے قومیں تنزلی کی طرف جاتی ہیں، جس کی وجہ سے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ بری طرح متاثر ہوتا ہے، اس کی روح ختم ہو جاتی ہے۔یہ عمل اس وقت تک ہی قائمودائم اور بڑھوتری کی جانب گامزن ہو سکتا ہے جب اس میں طمع و حرص، لالچ جیسے مذموم عناصر ختم کیے جائیں اور صرف اور صرف پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول کارفرما ہو۔انبیاء کرامf کا بھی یہی طریقہ دعوت رہا ہے ، ارشادِ ربانی ہے:

{اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ}[3]

" میں تو اپنی استطاعت کے مطابق اصلاح چاہتا ہوں ، اس کی توفیق مجھے اللہ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے ، میں نے اُسی پر بھروسہ کیا ہے اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

دعوت کو اس انداز سے پیش کرنا کہ جس سے خیر بڑھے اور شر کا اندیشہ کم سے کم رہے ، یعنی نہی عن المنکر کا کام اصل میں امر بالمعروف ہے اور امر بالمعروف کا کام دراصل برائی سے روکنے کے مترادف ہے۔جب آپ کسی کو برائی سے روک رہے ہیں تو یقینا وہ نیکی پر آمادگی ظاہر کرنے کا جذبہ پیش نظر رکھے گا، اسی طرح جب آپ کسی کو نیکی کی دعوت اور اس کی ترغیب دے رہے ہیں تو لازمی طور پر سے وہ برائی سے بچنے کے لیے ہر وہ کام کرے گا جس سے اس کی نیکی قائم رہے اور ضائع ہونے سے بچ جائے۔

جیسے اللہ رب العزت نے اپنے انبیاءf کو معروف کا حکم اور منکر سے روکنے کا حکم دیا، اسی طرح شریعتِ محمدی میں انفرادی سطح پر، معاشرتی سطح پر اور اجتماعی سطح پر اس فریضہ کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے:

{وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ}[4]

"اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

اس سے مراد شریعت محمدیہ ﷺ ہے، اور جو اس فریضے کو سرانجام دینے میں کوتاہی برتتے ہیں، یا سرے سے اس کی بجاآوری ہی نہیں لاتے، ان کے لیے وعید ہے، اسلام کا اسلوب ہے کہ جب کسی کام کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کی حکم عدولی کی صورت میں وعید سنائی جاتی ہے، جو قطعی امر ہے۔

[1] الغافر، ۴۱:۴۰

[2] البقرۃ، ۲: ۲۱۳

[3] ھود، ۱۱:۸۸

[4] آل عمران، ۳:۱۰۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’ مُرُوْا بالمَعروف وانھوا عن المُنکرِ قَبل اَن تَدعُوا فَلا یُستجابُ لکُمْ‘‘ ۔[1]

’’نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم دعائیں کرو، پھر تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں‘‘۔

یعنی اس سے بڑے عذاب کی صورت اور کیا ہو گی، کہ پریشانی آنے پر، دکھ و تکلیف آنے پر، لاچارگی ، مفلسی، بے بسی، ظلم و جبر ہونے پر انسان اپنے رب سے فریاد کرے اور اس کی فریاد نہ سنی جائے، صرف اس وجہ سے کہ نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکنے کا جذبہ لوگوں کے دلوں سے ختم ہو جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

{كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ}[2]

’’تم سب سے بہترین امت ہو جسے لوگوں کیلئے نکالا گیا ہے ، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو‘‘۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

{يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ}[3]

’’اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں، اور یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں‘‘۔

یعنی بھلائی کا حکم دینے والے اور نہی عن المنکر کے فریضے پر کاربند رہنے والے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں، ان کے اندر ان پاکیزہ خوبیوں کی وجہ سے صفتِ ایمان پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ان کا شمار صلحاء میں لکھ دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

{اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ}[4]

’’جو لوگ اُس پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمی ہے کہ جس کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اُن کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے، گندی چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے، اور اُن سے وہ بوجھ اور وہ قیدیں ہٹا دیتا ہے جو اُن پر پہلے سے تھیں، سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے، اُن کی تائید اور نصرت کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُن کے ہمراہ اُتارا گیا ہے، وہی لوگ کامیاب ہیں‘‘۔

نبی اکرم ﷺ جو اس کائنات میں تمام انسانیت کے امام اور امام الرسل ہیں ، پھر جو ان کی پیروی کرے گا اور ان کے طریقے پر چلے گا وہی ہدایت یافتہ ہو گا ، اگر نبی کریم ﷺ نے نہی عن المنکر کے نقصانات گنوائے اور بتائے ہیں تو ہر امتی کا فرض بنتا ہے کہ اس عمل کو اپنی زندگی کا خاصہ بنا لے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ہر عمل میں مسلمانوں اور مومنوں کے لیے نمونہ موجود ہے:

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا}[5]

---

[1] امام احمد، ’’مسند احمد بن حنبل‘‘، کتاب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، باب وجوبہ والحث علیہ والتشدید فیہ،مکتبہ رحمانیہ لاہور، ج:۱۴، ص:۱۷۴

[2] آل عمران، ۳:۱۱۰

[3] آل عمران، ۳:۱۱۴

[4] الاعراف، ۷:۱۵۷

[5] الاحزاب، ۳۳:۲۱

" یقینا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے، اُس شخص کیلئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور وہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے"۔

اس لیے امت مسلمہ کے ہر فرد کے اندر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خوبی موجود ہونی چاہیے، اسے آخری دم تک ان خصوصیات کا حامل رہنا چاہیے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

{اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ}[1]

" منافق مرد اور منافق عورتوں میں بعض ، بعض سے ہیں ، کہ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں، بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں ،انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ، سو اُس نے انہیں بھلا دیا ، بیشک منافقین ہی نا فرمان ہیں"۔

مومنین اور مومنات کی صفت تو اچھائی اور خیر کو بڑھانا اور پھیلانا ہے جبکہ منافقین جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، جن کا بظاہر ایمان دار اور جن کا باطن اسلام اور ایمان کی نفی کر رہا ہوتا ہے، وہ ایسی خصوصیات کے حامل نہیں ہو سکتے، اپنے دل کے مرض، جھوٹے پن اور دوغلے پن کی وجہ سے منافقین کا معاملہ الٹ ہے، وہ اچھائی سے روکتے ہیں ، بھلائی سے پیچھے ہٹاتے ہیں، حق سے خود بھی بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی حق سے دور رکھتے ہیں، جبکہ برائی پر خود بھی چلتے ہیں اور برائی کی دعوت بھی دیتے ہیں، معاشرے میں گناہوں کی صورت میں بد امنی، شر اور شرارت کو پھیلاتے ہیں، بے حیائی جیسے مذموم عناصر ان کی فطرت کا خاصا ہوتے ہیں، وہ گندگی کو پسند کرنے والے اور طہارت سے تہی دامن ہوتے ہیں، اسی لیے ان کا وطیرہ "برائی کی دعوت دینا اورنیکی سے روکنا" ہوتا ہے، اور ایسا شخص خدا کے ہاں نافرمان کہلاتا ہے۔

قرآن کریم نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

{وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓىٕكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ}[2]

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں ، بھلائی کا حکم دیتے ہیں ، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں ، اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائیگا ، بیشک اللہ غالب ، حکمت والا ہے "۔

اوامر و نواہی کے اسی حکم کو سورۃ توبہ میں ہی ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

{اَلتَّآىٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ}[3]

" توبہ کرنے والے ، عبادت کرنے والے ، شکر کرنے والے ، روزہ رکھنے والے ، رکوع کرنے والے ، سجدہ کرنے والے ، بھلائی کا حکم دینے والے ، برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ، اور آپ مؤمنین کو خوشخبری دیدیجئے"۔

اس آیۃ مبارکہ میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ انجام دینے والے کو توبہ کرنے والوں،عبادت کرنے والوں، شکر کرنے والوں، روزہ رکھنے والوں، رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اور اس کا شمار ایسی صفات کے حامل لوگوں میں فرمایا ہے۔

۱۔ جو شخص توبہ کرنے والا ہے وہ یقینا توبہ کرنے کی ہی تلقین کرے گا۔

۲۔ جو شخص خود زاہد و عابد ہے، وہ عبادت گزاری اور زہد وورع کا ہی درس دے گا۔

۳۔ جو شخص خود اللہ کی حمد بیان کرنے والا ہے وہ اللہ کی تحمید کا ڈنکا بجانے کا ہی جذبہ رکھے گا۔

۴۔ جو شخص خود اللہ کے سامنے جھکنے والا ہے وہ لوگوں کو بھی طاغوت کے سامنے جھکنے سے منع کرے گا۔

---

[1] التوبۃ، ۹:۶۷

[2] التوبۃ، ۹:۷۱

[3] التوبۃ، ۹:۱۱۲

۵۔ جو شخص خود رب تعالیٰ کے سامنے اپنی جبینِ نیاز کو جھکانے والا ہے وہ دوسروں کو بھی صرف ایک اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا درس دے گا۔

۶۔ جو شخص خود خدائی احکامات پر عمل پیرا ہے، امر بالمعروف کے حکم کو دل کی گہرائی، آنکھوں کی بصیرت، اور کھلے کانوں سے سنتا اور سمجھتا ہے وہ لوگوں کو بھی اس حکم کی بجا آوری کرنے کی نصیحت کرے گا۔

۷۔ جو شخص خود منکرات کے مضمرات کو سمجھتا ہے یقینا وہ لوگوں کو بھی نافرمانی کے نتیجے میں ہونے والے نقصان سے بچائے گا۔

۸۔ جو شخص خود حدود اللہ کا پہرے دار ہے وہ لوگوں کو بھی اللہ کی حدود پر عمل پیرا ہونے اور حدود اللہ کی پامالی کرنے سے روکے گا۔

جب کسی شخص میں ایسی صفات پیدا ہو جائیں تو ایسے لوگوں کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے جنت کا وعدہ اور اس کی بشارت ہے۔

{اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ}[1]

"بیشک اللہ انصاف، بھلائی اور قرابت داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی، ناپسندیدہ کاموں اور سرکشی سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اُسے یاد رکھو۔"

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"یقینا اللہ تعالیٰ توحید اور فرائض کی ادائیگی یا یہ کہ لوگوں کے ساتھ احسان اور صلہ کا حکم فرماتے ہیں اور تمام گناہ اور ایسی باتوں سے جن کی شریعت اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان باتوں سے اس لیے روکتے ہیں تاکہ تم قرآن کے احکام سے نصیحت حاصل کرو۔[2]

یعنی تفسیر کے مطابق اللہ کی توحید اور فرائض کی ادائیگی جس میں وسعت اور جامعیت کی انتہا نہیں ہے، اور لوگوں کے ساتھ احسان اور صلہ کا معاملہ اختیار کرنا "امر بالمعروف" سے تعبیر کیا گیا ہے ،یعنی عدل، احسان، قرابت داروں سے بھلائی "امر بالمعروف" سے جڑی ہوئی باتیں ہیں، اسی طرح گناہ اور فسق و فجور کو اور ایسی لایعنی باتیں جن سے کچھ نفع حاصل نہ ہو، اور ایسی باتیں جن سے لوگوں پر ظلم و جبر اور زیادتی ہو، "نہی عن المنکر" سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی بے حیائی، ناپسندیدہ کام اور سرکشی "نہی عن المنکر" سے جڑی ہوئی باتیں ہیں۔لہٰذا اللہ کا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور اس کو پسند نہ فرمانا انسان کے اپنے ہی بھلے کیلئے ہے، اس سے انسان دنیا میں اپنی اصلاح اور آخرت میں فلاح کے درجے پر فائز ہو گا۔

اسی مضمون کو سورۂ حج میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

{اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ}[3]

"وہ لوگ کہ اگر ہم اُنہیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

یہاں بھی صاحب اقتداران کو نماز نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بھلائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی تاکید ہے۔حکمرانوں کا آیت کی رو سے نماز کو قائم کرنا اور زکوۃ کو ادا کرنا کافی نہیں، الّا یہ کہ وہ معاشرے سے برائی کے خاتمے اور اچھائی کی ترغیب کے لیے تمام تر وسائل بروئے کار لائیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

سورۂ عنکبوت میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَصۡنَعُوۡنَ}[4]

---

[1] النحل، ۱۶:۹۰

[2] فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، ابو طاہر، "تفسیر ابن عباسؓ"، مترجم:پروفیسر محمد سعید احمد عاطف، مکی دارالکتب لاہور، ج:۲، ص:۱۶۴

[3] الحج، ۲۲:۴۱

[4] العنکبوت،۲۹ :۴۵

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

”اے نبی!صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر جو کتاب وحی کی گئی ہے، اُس کی تلاوت کیجئے اور نماز قائم کیجئے،بیشک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر ہی سب سے بڑی چیز ہے، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو“۔

یہاں بھی گذشتہ آیات کی طرح نماز روزہ قائم کرنے والے اور معروف و منکر کے حق شناسی کرنے والے اور حق کو قبول کرنے والے بندوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ اور ان اوصاف کی بجا آوری کی صورت میں بے حیائی ، لایعنی باتیں اور برائی کے ایسے کام جو انسان کو اللہ کے قرب سے دور کرتے اور ھوی النفس پر ابھارتے ہیں ، ان سے بچائو آسان ہو جاتا ہے۔

{یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ}[1]

”پیارے بیٹے! نماز قائم کیا کرو، بھلائی کا حکم دیا کرو، برائی سے روکا کرو، اور تمہیں جو مصیبت پہنچے اُس پر صبر کیا کرو، بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے“۔

مذکورہ بالا آیات کے مطابق قرآن مجید میں ”عن المنکر“ کے گیارہ(۱۱) مرتبہ الفاظ آئے ہیں، جسے امر بالمعروف کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے، یعنی صرف اچھائی کی دعوت دینا ہی کافی نہیں، اور اسی پر اکتفا کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ اچھائی کے ساتھ لازم حکم ”برائی سے روکنا“ بھی ہے۔اگر تفسیری وضاحت کا سہارا نہ بھی لیا جائے تو قرآن کریم کی آیۃ مبارکہ کا ترجمہ ہی معنی و مفاہیم سمجھانے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے، اور یہ اسلوب انبیاءf سے لیکر ہر خاص و عام شخص کے لیے اپنایا گیا ہے، کوئی بھی قوم، ریاست، معاشرہ اور فرد اس حکم سے پہلو تہی کرے گا تو اس حوالے سے موجود وعیدوں کو وہ اپنے لیے کافی پائے گا،جس جس قوم اور معاشرے نے اس فریضے سے روگردانی کی ہے وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا،اس قوم میں نصیحت اور خیر خواہی کا عمل رک گیا، سیکھنے اور سکھانے کا پاکیزہ عمل ان قوموں میں بری طرح متاثر ہوا۔اسی لیے قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ اس مفہوم کو اجاگر کرنے اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرامین میں بھی اس حکم ”نہی عن المنکر“ کی بجا آوری کے لیے بار بار تاکید فرمائی اور اس کے مختلف مدارج بیان کیے ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’من رأی منکم منکرًا فلیغیرہُ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذٰلک اضعف الایمان‘‘۔[2]

”جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے (برا جانے) اور یہ(درجہ) کمزور ترین ایمان ہے“۔

یعنی کوئی بھی شخص جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے، وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے، اس کے فرشتوں پر ایمان لاتا ہے، اس کی کتابوں پر ایمان لاتا ہے، اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہے، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاتا ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ برائی دیکھے اور اس کو روکنے میں عملی طور پر اپنا کردار ادا نہ کرے، یعنی ہر حال میں اور ہر صورت میں اس کو رفع کرنے ، اس کی مذمت کرنے، اس کی تردید کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی مفہوم کی دوسری حدیث وضاحت اور صراحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے ،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’عن ابی سعید ن الخدریh قال سمعتُ رسولَ اللہِ ﷺ یقولُ((من رأی منکم منکرًا فغیرہ بیدہ فقد برئ، ومن لم یستطع ان یغیرہُ بیدہ فغیرہُ بلسانہٖ فقد برئ، ومن لم یستطع ان یغیرہُ بلسانہٖ فغیرہُ بقلبہٖ فقد برِیَٔ، وذٰلک اضعف الاِیْمَانِ‘‘ ۔[3]

”حضرت ابو سعید خدریh کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے”تم میں سے جس نے برائی کو دیکھا اور ہاتھ سے روک دیا تو وہ (گناہ سے) بری ہو گیا اور جس میں ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں لیکن اس نے زبان سے روک دیا تو وہ بھی بری ہو گیا اور جس میں زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہیں لیکن دل سے برا جانا وہ بھی بری ہو گیا اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“۔

اس معنی خیز حدیث مبارکہ سے نہی عن المنکر کا مفہوم خوب واضح ہو رہا ہے کہ ایسا کرنے والا شخص قابلِ مواخذہ نہیں رہے گا، یعنی اگر کوئی شخص ان اوصاف کو اپناتا اور اپنا طریقِ زندگی ایسا بنا لیتا ہے تو وہ عنداللہ ماجور ہو گا، یعنی اللہ کی ذات برائی سے روکنے کی وجہ سے اس سے مواخذہ نہیں کرے گی۔

---

[1] لقمان، ۳۱:۱۷

[2] القشیری، نیشاپوری، مسلم بن الحجاج، امام ”الجامع الصحیح المسلم“، کتاب الایمان، باب: بیان کون النھی عن المنکر من الایمان ، الرقم: ۴۹

[3] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، الحافظ، الامام ،”سنن ترمذی“، کتاب الایمان وشرائعہ، باب: تفاضل اھل الایمان، الرقم:۴۶۳۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فریضہ کب انجام دیا جائے اور کب اس فریضے کو روکے رکھا جائے، کون سا وقت، کون سی گھڑی، کون سی جگہ ایسی ہے جہاں اس فریضے کی انجام دہی کی جائے، تو اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

’’عن ابی سعید ن الخدریh عن النبیﷺ قال ((ایاکم والجلوس بالطرقات)) قالوا: یارسولَ اللہﷺ ما لنا بد من مجالسنا نتحدثُ فیھا؟ فقال رسولُ اللہِﷺ ((فاذا اتیتم الی المجالس فاعطوا الطریق حقَّھا)) قالوا: وما حق الطریقِ یارسولَ اللہِﷺ؟ قال (غضُّ البصر وکف الاذی ورد السلام وامرٌ بالمعروف ونھیٌ عن المنکر))۔[1]

’’حضرت ابو سعید خدریhسے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’راستوں پر بیٹھنے سے بچو‘‘، صحابہ کرامj نے عرض کی ’’یارسو اللہ ﷺ! اس کے بغیر تو ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں، ہم راستوں میں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں‘‘، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اچھا تو پھر جب تم لوگ اپنی مجالس میں آئو تو راستے کا حق ادا کرو‘‘، صحابہ کرامj نے عرض کی ’’یارسول اللہ ﷺراستے کا حق کیا ہے؟‘‘ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’نگاہیں نیچی رکھنا، دوسروں کو تکلیف نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنا‘‘۔

اس حدیث مبارکہ کی رو سے برائی سے روکنے کا عمل ہر جگہ اور ہر وقت رہنا چاہیے، کسی بھی جگہ سے اس امر سے پہلو تہی کرنا جائز نہیں، اس حدیث میں نگاہیں نیچی رکھنا، دوسروں کو ایذا رسانی نہ خود پہنچانا اور اس کا سبب بننا، سلام کو پھیلانا اور اس کا جواب دینا اور ساتھ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اگر ایک شخص دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کو برائی سے روکنے اور بھلائی کے کام کرنے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فارمولا اپنایا جائے گا، اگر کوئی شخص بغیر ضرورت اور بلاوجہ تانک جھانک کرتا اور حرام کاموں کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا، اسی لیے ان دونوں اوصاف کو جملہ نیکیوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

پھر یہ اعمال کرنے سے کسی کی ملامت کی پرواہ کرنا، کسی کی ظاہری حیثیت کو خاطر میں لانا، یا کسی کا بڑا عہدہ اور اختیار دیکھ کر ، نہی عن المنکر کو ترک کر دینا جائز نہیں، بلکہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حق بات کو کہنا اور منکر سے روکنا واجب ہے۔

اس بات کی وضاحت نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل حدیث کرتی ہے:

’’ عن ابی ذرٍّh قال اوصانی خلیلیﷺ بخصالٍ من الخیر اوصانی ان لا اخاف فی اللہِ لومۃ لائم واوصانی ان اقولَ الحق وان کان مُرًّ‘‘۔[2]

’’حضرت ابوذرhکہتے ہیں کہ میرے دوست (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے بھلائی کی باتیں بتائیں (ان میں سے یہ بھی تھی کہ) میں اللہ کے (دین کے معاملے میں) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں اور ہمیشہ حق بات کہوں خواہ ناگوار ہی ہو‘‘۔

یعنی اگر حق بات کہنے سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے، تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ ایسا اس کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے کیا جا رہا ہے،پھر ایسا وہ اپنی پسند یا ناپسند کی بنیاد پر نہیں کر رہا، بلکہ رب تعالیٰ کے فرمان اور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں کر رہا ہے اور ایسا معاشرے کی اصلاح اور طہارت کے لیے کیا جا رہا ہے، امن کی فضا کو قائم کرنے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے معیار متعین فرما دیا کہ کسی کے حق بات بیان کرنے یا برائی سے روکنے کی وجہ سے اسے ملامت کا سامنا یا تنقید بھی برداشت کرنا پڑے تو وہ ان سب باتوں کو برداشت کر لے ، لیکن حق بات کہنے اور اس روش سے پیچھے نہ ہٹے۔

پھر اس خیر خواہی کا ایک اور پہلو ہے کہ ایک شخص کسی پر ظلم ہوتا ہوا اور ناانصافی ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے، اسے اس بات پر شرح صدر ہے کہ فلاں شخص فلاں کے ظلم و زیادتی کا معاملہ روا رکھے ہوئے ہے، پھر اسے فرمانِ نبوی کے مطابق مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے، چاہے وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، اور ظالم چاہے کتنا ہی جابر کیوں نہ ہو، اسے بھی اپنی بساط اور طاقت کے مطابق ظلم سے روکنا چاہیے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’عن جابرٍ h قال قال رسولُ اللہِﷺ ((ولینصر الرجل اخاہُ ظالمًا او مظلومًا ان کان ظالمًا فلینھہ فانہ لہ نصرٌ وان کان مظلومًا فلینصرہُ‘‘۔[3]

---

[1] امام بخاری، ’’الجامع الصحیح البخاری‘‘، کتاب المظالم ، باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا علی الصعدات

[2] ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، ابو حاتم، امام، ’’ صحیح ابن حبان‘‘، موسسہ الرسالۃ بیروت۔لبنان، ج:۲، ص:۴۴۹

[3] امام مسلم، ’’الجامع الصحیح المسلم‘‘، کتاب البر والصلۃ، باب نصر الاخ ظالما او مظلوما

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

"حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیے خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہے تو اسے ظلم سے روکے تو یہ ظالم کی مدد ہو گی اور اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے"۔

دین نام ہی سراسر خیر خواہی کا ہے، یہاں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں مسلمان سے ہر حال میں خیرخواہی اور بھلائی کا حکم ہے، اگر وہ کسی پر ظلم کر رہا ہے تو اسے اچھے طریقے سے ، اپنی دانائی اور بصیرت سے سمجھایا جائے کہ بھائی ایسا کرنے سے تیرے حصے میں گناہ لکھا جائے گا اور دوسرے مسلمان بھائی کا تیری وجہ سے نقصان ہوگا، لہٰذا تُو اپنی ظلم و زیادتی والی روش سے باز آجا اور برائی کا ارادہ ترک کر دے، ہر دو صورت میں ظالم کو ظلم اور ناانصافی سے روکنے اور مظلوم کا پشتی بان بننے اور اسے محفوظ کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کو بروئے کار لانے اور تمام تر کوشش و کاوش کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ سے افضل جہاد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

''کلمۃُ حقّ عند سلطانٍ جائرٍ''۔[1]

"ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے"۔

اگر کوئی مسلم مرد و عورت آمر (نیکی کا حکم دینے والا) اور ناہی (برائی سے روکنے والا) کا فرض ادا نہیں کرتا اور حق بات کہنے سے پہلو تہی کرتا ہے تو ایسا شخص نہ صرف برائی کے پھیلنے کا باعث بن رہا ہے بلکہ ایسے شخص کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے، جیسا نبی اکرم ﷺ نے اس کوتاہی کے نتائج بد سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

''ما من قومٍ یعمل فیھم بالمعاصی، ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیروا الا یوشک ان یعمھم اللہُ منہ بعقابٍ'' [2]

"جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہو اور ان میں اسے روکنے کی قدرت والے بھی موجود ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ جل شانہ ان سب کو اپنی طرف سے عذاب میں مبتلا کر دے"۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک شخص دوسرے کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے، لیکن اس کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھتی ہی جا رہی ہے، وہ اپنے روشِ بد کو چھوڑنے کے لیے کسی بھی صورت تیار نہیں، ہر وقت اور ہر لحظہ وہ ناصح کے لیے مشکلات کا باعث بن رہا ہے، بجائے نصیحت قبول کرنے کے ناصح کے لیے دردِ سر اور فتنہ و فساد کا باعث بن رہا ہے، تو ایسے شخص کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے، نبی اکرم ﷺ کا درج ذیل ارشاد اس بات کی وضاحت فرما رہا ہے:

ابو ثعلبہ h نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر پوچھی:

{لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ}[3]

"جب تم ہدایت پر ہو تو جو شخص گمراہ رہے، اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں"۔

اس آیت کی وضاحت نے آپ ﷺ نے فرمایا:

''بل ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر، حتی اذا رأیت شحًّا مطاعًا، وھوی متبعًا، ودنیا موثرۃً، واعجاب کل ذی رایٍ برایہ فعلیک یعنی بنفسک ودع عنک العوام، فان من ورائکم ایام الصبر، الصبر فیہ مثل قبضٍ علی الجمر، للعامل فیھم مثل اجر خمسین رجلا یعملون مثل عملہ قیل: یا رسولَ اللہِ! اجر خمسین منھم، قال: اجر خمسین منکم''۔[4]

بلکہ تم ایک دوسرے کو اچھائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو حتی کہ جب دیکھو کہ کنجوسی کی روش چل پڑی ہے، خواہشات کی اندھی پیروی ہو رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے دینے والا اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو تم اپنے آپ ہی کو بچاؤ اور (ایسے) عوام سے دور ہو جاؤ کیونکہ تمہارے پیچھے صبر کے دن ہیں جن میں صبر کرنا آگ کے انگارے پکڑنے کے مانند ہوگا، ان دنوں ایسا کرنے والے کو پچاس آدمیوں کا اجر ملے گا جو انہی جیسا عمل کریں گے، صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر"۔

---

[1] نسائی، ابو عبدالرحمن،احمد بن شعیب ابن علی ابن سینا، امام ، النسائی السنن، کتاب البیعۃ، باب فضل من تکلم بالحق عند امام جائر

[2] سجستانی، الازدی، سلیمان ابن الاشعث، ابوداؤد، امام ، "سنن ابی داؤد"،کتاب الملاحم، باب الامر والنھی

[3] المائدۃ، ۵:۱۰۵

[4] امام ابوداؤد، "سنن ابی داؤد"کتاب الملاحم، باب الامر والنھی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اپنے ایمان کو بچانا مقدم اور ضروری ہے، اگر کسی کے رویے اور عمل کی وجہ سے آمر (نیکی کا حکم دینے والا) کا اپنا ایمان خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو ، تو ایسی صورت میں ایسے لوگوں سے دور رہنے اور اپنا دامن داغدار ہونے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، لیکن دل سے برا جاننا سے مستثنیٰ نہیں ہے، اگر اس کو زبانی دعوت دینے ، ہاتھ سے روکنے سے خطرہ ہے تو دل سے برا جاننے میں تو کوئی حرج نہیں، لہٰذا دل سے برا جاننے کا عمل اپنے جگہ پر بدستور قائم رہے گا، اس میں کسی بھی صورت کمی نہیں آئے گا، ورنہ ایمان کا آخری درجہ بھی ختم ہونے کا اندیشہ ہے جو بڑی خطرناک اور اندوہ ناک صورت حال ہے۔

اس بات کی وضاحت نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی:

'' ما من نبيٍّ بعثہ اللہُ فی اُمَّۃٍ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنۃ ویقتدون بامرہِ، ثم انھا تخلف من بعدھم خلوفٌ، یقولوان ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یومرون، فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن، ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومنٌ، ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن، ولیس ورآءَ ذلک من الایمان حبَّۃُ خردلٍ''۔[1]

"ہر نبی کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے مبعوث فرمایا، اس کی امت میں سے اس کے کچھ حواری اور مخلص ساتھی بھی ہوئے جو اس کے طریقے پر چلے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہے، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جن کے قول و فعل میں تضاد تھا اور وہ ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں ہوتا تھا، (آئندہ میری امت میں بھی یہی صورتِ حال ہو گی)جو اس قسم کے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جوان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے (جو یہ نہ کر سکا تو) اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے"۔

یہاں ہاتھ سے جہاد کرنے کا مطلب تحریری دعوت ہے، وگرنہ قول و فعل کا تضاد رکھنے والے اوراسلام لانے کے بعد اللہ کے احکامات کو کلی یا جزوی طور پر نہ ماننے والوں، اور اس معاملے میں سستی اور کمزوری کا شکار ہونے والوں پر لفظ "جہاد" کا اطلاق نہیں ہوتا، یہاں تحریری دعوت ہے، پھر زبانی دعوت ہے اور پھر دل سے برا جاننے کا ارادہ ہے، گذشتہ حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی دل سے برا جاننے کے بعد کو ایمان کے نہ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قرآن و سنت کا "نہی عن المنکر" کے تناظر میں جتنا بھی مطالعہ کیا جائے ہر ہر موقع پر اس فریضے کو پوری تن دہی سے انجام دینے پر زور دیا گیا ہے، اس کا نفاذ، اس کا اطلاق انفرادی سطح سے لیکر اجتماعی اور ریاستوں کی حد تک ضروری قرار دیا گیا ہے، اس فریضے کو انجام دینے میں جن امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ، کس شخص کی کتنی ذمہ داریاں ہیں، گھر چلانے میں کردار ادا کرنے والی عورت کی ذمہ داریاں، خاوند جو بیرونی معاملات اور معاش کے امور کو چلاتا ہے ، اس کی ذمہ داریاں، فرد اور معاشرے کی ذمہ داریاں، علماء اور ریاست کی ذمہ داریاں، الغرض ہر شخص سے اس معاملے میں اس کے اختیار کے مطابق سوال ہے، ایسا تب ہی ممکن ہے جب انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکمل یکسوئی کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے۔

معاشروں کو ارتقائی مراحل سے گزارتے ہوئے بلندی کے مقام پر پہنچانے میں جو عوامل کارفرما ہیں، اور جو عناصر اس بلندی میں چار چاند لگانے والے ہیں، وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی ہیں، اسی لیے دنیا میں نبوت کا اعلان کرنے والے ہر نبی نے اس عمل کو اپنی زندگی کا خاص حصہ بنایا، بلکہ انبیاءf کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی اوامر و نواہی کا درس دینا تھا، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

{رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا }[2]

"اللہ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا جو (نیک اعمال پر) خوشخبری دینے والے اور (برے اعمال پر) ڈرانے والے تھے تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب اور حکمت والا ہے"۔

جب تک کسی چیز کی قباحت معلوم نہ ہو، اس کے نقصانات کا ادراک نہ ہو، اس کے مضرات سے شناسائی نہ ہو، اس وقت تک انسان سوچنے پر مجبور نہیں ہو سکتا، اس کے رویے میں سستی اور کاہلی کے عناصر پائے جائیں گے، بطور فرد اس کا معاشرے میں کیا کردار ہے ، کس طرح وہ اپنے آپ کو، اپنے اہل خانہ اور معاشرہ کے دیگر افراد کو نقصان والی باتوں اور چیزوں سے دور ہٹا سکتا ہے، ان سب باتوں کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے، اسی عمل سے معاشروں سے بے حسی ختم کی جاسکتی ہے اور اچھائی کا بول بالا کیا جا سکتا ہے، یہ عمل اور اس فریضے کی انجام دہی تمام انبیاءf کی خصوصی طور پر سنت رہی ہے، جیسے:

حضرت نوحd

---

[1] امام مسلم، "الجامع الصحیح المسلم"، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان

[2] النساء، ۴:۱۶۵

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

{اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌOقَالَ یٰقَوْمِ اِنِّی لَکُمْ نَذِیرٌ مُّبِیْنٌOاَنْ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیعُوْنِیOیَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآئَ لَا یُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ }[1]

”بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائے اس سے پہلے کہ اسے عذاب الیم آلے، نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے لیے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں، اللہ کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہارے عذاب کا مقرر وقت ٹال دے گا البتہ موت کا مقررہ وقت ٹالا نہیں جا سکتا، کاش تم جان لو“۔

حضرت ہودd

{وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَOیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَOوَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَآئَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ[2])

”اور قوم عاد کی طرف، ان کے بھائی ہود کو بھیجا، ہود (d)نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں ، تم نے (دوسرے الٰہ بناکر) محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں، اے میری قوم میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو اس ذات کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟ اور اے میری قوم اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کے حضور توبہ کرو وہ تم پر مسلسل بارش نازل فرمائے گا، تمہاری قوت میں اور بھی اضافہ فرما دے گا اور مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو“۔

حضرت صالحd

{وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ یرُہٗ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ رِیْبٌ مُّجِیْبٌ[3] }O

”اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح(d) کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں، وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، اس سے معافی مانگو، اس کے حضور توبہ کرو یقینا میرا رب قریب ہے، دعائوں کو قبول فرمانے والا ہے“۔

حضرت ابراھیمd

{وَ لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَOاِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ وَ قَوْمِہٖ مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَOقَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآئَ نَا لَھَا عٰبِدِیْنَOقَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُ کُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍOقَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَOقَالَ بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَOوَ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَOفَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ[4]}

”جب اُنہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اُنہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ابراہیم نے فرمایا کہ یقینا تم اور تمہارے آبائو اجداد کھلی گمراہی میں ہو۔وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس حق لیکر آئے ہو یا تم دلی لگی کر رہے ہو؟ابراہیم نے فرمایا بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے اُنہیں پیدا کیا ہے اور میں تمہارے سامنے اس بات پر گواہی دینے والا ہوں۔اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جائو گے تو میں تمہارے اِن بتوں کے متعلق ضرور تدبیر کروں گا۔پھر اُن کے بڑے بت کو چھوڑ کر ابراہیم نے اُن سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، تاکہ وہ اُس کی طرف رجوع کریں“۔

حضرت لوطd

---

[1] نوح، ۴:۷۱۔۱

[2] ھود، ۱۱:۵۰۔۵۲

[3] ھود، ۱۱:۶۱

[4] الانبیاء، ۲۱:۵۱۔۵۸

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

{وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَO اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآئِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ[1]}

”اور لوط (d) نے جب اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا؟ بے شک تم اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس آتے ہو؟ تم تو بالکل ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو“۔

حضرت شعیب

{وَ اِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآئَتْكُمْ بَيِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآئَ هُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَOوَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِيْنَ}[2]

”اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، وہ کہنے لگے کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے، اس لیے تم ماپ اور وزن پورا کیا کرو، لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر مت دو، زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلائو، یہ چیزیں تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہیں اگر تم مؤمن ہو، اور راستوں میں مت بیٹھا کرو کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں، تم انہیں دھمکانے اور اللہ کی راہ سے روکنے لگ جائو اور اس میں ٹیڑھا پن تلاش کرنے لگو، اور اُس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد میںتھوڑے تھے تو اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ فساد پھیلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟“۔

حضرت یوسفd:

{يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ئَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُOمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآئً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ}[3]

” اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو ! (سوچو)کیا متفرق خدا زیادہ بہترہیں یا وہ اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے۔تم اُسے چھوڑ کر صرف چند ناموں کی پوجا کر رہے ہو جو خود تم نے اور تمہارے آبائو اجداد نے رکھ لئے ہیں ، اللہ نے اُن کی کوئی دلیل نہیں اتاری ہے ، فیصلہ تو صرف اللہ ہی کا ہے ، اُسی نے حکم دیاہے کہ اُس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو ، یہی سیدھا دین ہے ، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں “۔

حضرت موسیٰ

{وَ قَالَ مُوْسٰی يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَOحَقِيْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ}[4]

”صرف اسی بات کا حق رکھتا ہوں کہ اللہ کے متعلق حق کے علاوہ کچھ نہ کہوں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل لیکر آیاہوں، اس لیے بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو“۔

حضرت عیسٰیd

{اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ}[1]

---

[1] الاعراف، ۷:۸۰۔۸۱

[2] الاعراف، ۷:۸۵۔۸۶

[3] یوسف، ۱۲:۳۹۔۴۰

[4] الاعراف، ۷:۱۰۴۔۱۰۵

”بیشک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، سو تم اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے“۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

{فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَO اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ}[2]

”اِس دنیا میں بھی ہمارے لیے بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی،بیشک ہم نے تیری طرف ہی رجوع کر لیا ہے، اللہ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں، ڈال دیتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے، سو میں اُسے اُن لوگوں کیلئے لکھ رہا ہوں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔جو لوگ اُس پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمی ہے کہ جس کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اُن کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے، گندی چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے، اور اُن سے وہ بوجھ اور وہ قیدیں ہٹا دیتا ہے جو اُن پر پہلے سے تھیں، سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے، اُن کی تائید اور نصرت کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُن کے ہمراہ اُتارا گیا ہے، وہی لوگ کامیاب ہیں“۔

یہی نہیں بلکہ جو شخص کسی بھی دور اور کسی بھی زمانے میں اس فریضے کو انجام دے گا وہ انبیاءf کے لائے ہوئے نظام کی صحیح معنوں میں ترجمانی کرنے والا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والا ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت اہلِ کتاب کے اندر زبردست فساد اور بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور وہ اللہ کے دین کو چھوڑ چکے تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک گروہ راہِ راست پر قائم تھا اور ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کا فرض انجام دے رہا تھا، یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ راہِ راست پر قائم رہنے کے لیے ’امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘ ایک لازمی شرط ہے، اس کے بغیر راہِ راست پر قائم رہنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔[3]

قرآن حکیم میں اہلِ کتاب کا حق پرست گروہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دے رہا تھا ، اس گروہ کی قرآن مجید میں ان الفاظ میں خوبی بیان کی گئی ہے:

{لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَO يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ}[4]

”اہل کتاب سب کے سب ایک سے نہیں ہیں، ان میں ایک جماعت راہِ راست پر قائم ہے، یہ لوگ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں کا شمار صالحین میں ہے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ کارِ نبوت کے لیے ’امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘ کی تعبیر ٹھیک قرآنی تعبیر ہے، یہ کوئی محدود تعبیر نہیں ہے، جو انبیاءf اور ان کے جانشینوں کے کام کے کسی ایک حصے کو ظاہر کرتی ہو، بلکہ یہ اس سعی و جدوجہد کو پوری طرح نمایاں کرتی ہے جو انبیاءfاور ان کے جانشین اللہ کے دین کی راہ میں کرتے تھے، ان کی تمام تعلیمات امر و نہی پر مشتمل تھیں، وہ یا تو معروف کا حکم دیتے تھے یا منکر سے روکتے تھے، اس تعبیر کے ذریعے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کیا کام ہے جو ہر نبی اور اس کی امت کے صلحاء نے اپنے دور میں انجام دیا اور جس کے کرنے پر آج امت مسلمہ مامور ہے، معاشروں کی اصلاح و احوال کی درستگی پر مامور ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تعبیر بہ ظاہر چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن ان ہی چند الفاظ میں انبیاء کا مقصدِ بعثت بیان کر دیا گیا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں اہلِ علم نے یہی بات کہی ہے۔

---

[1] زخرف، ۴۳:۶۴

[2] الاعراف، ۷:۱۵۶۔۱۵۷

[3] عمری، جلال الدین، سید، مولانا، ”معروف ومنکر“، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، انڈیا،ص:۳۴

[4] آلِ عمران، ۳:۱۱۳۔۱۱۴

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر الذى انزل الله به كتبه وارسل به رسله، من الدين''۔[1]

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جس کی ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں نازل کیں اور اپنے رسول بھیجے، جزو دین ہے"۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

'' ان الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر كان واجبًا فى الأمم المتقدمة، وهو فائدة الرسالة وخلافة النبوة''۔[2]

"معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا پچھلی امتوں پر واجب تھا، یہی رسالت کا فائدہ ہے اور یہی نبوت کی جانشینی ہے"۔

علامہ سیف الدین آمدی فرماتے ہیں:

''ما من أمة الا وقد أمرت بالمعروف كاتباع أنبيائهم وشراعهم، ونهت عن المنكر كنهيهم عن الالحاد و تكذيب أنبيائهم"۔[3]

"جتنی بھی امتیں گزری ہیں ان میں سے ہر امت نے معروف کا حکم دیا ہے، مثال کے طور پر ان کا اپنے نبیوں اور ان کی شریعتوں کی اتباع کا حکم دینا، اسی طرح انہوں نے منکر سے منع کیا ہے، مثلاً ان کا الحاد اور تکذیب انبیاء سے منع کرنا"۔

امام رازی ایک سوال قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر والايمان بالله... ان هذه الصفات الثلثة كانت حاصلة فى سائر الأمم''۔[4]

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور خدا پر ایمان یہ تینوں صفتیں تمام امتوں میں موجود تھیں"۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

" قد جرت سنة الأنبياء والسلف الصالحين على الدعوة الى الخير والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وان كان محفوفًا بالمكاره والمخاوف"۔[5]

"انبیاء ومرسلین اور سلف صالحین کی یہ سنت رہی ہے کہ انہوں نے خیر کی دعوت دی، معروف کا حکم دیا اور منکر سے منع کیا، اگرچہ یہ کام مشقتوں اور تکالیف سے گھرا ہوا ہے"۔

اہل علم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا کام رہا ہے، اسی کام کے لیے امت مسلمہ وجود میں آئی ہے، اس کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ بس اپنی حد تک صلاح و تقویٰ کی زندگی گزارتی رہے، بلکہ اسے دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کی ذمہ داری بھی انجام دینی ہے، وہ عابد و زاہد بھی ہے اور ہادی و رہنما بھی، اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور مخلوق کی ہدایت اس کے کام کے دو جزو ہیں، آج اگر وہ ان میں سے کسی بھی جزو کو چھوڑ بیٹھے تو کل قیامت کے روز اس سے سخت باز پرس ہو گی اور وہ ناکام و نامراد قرار پائے گی۔

انبیاءfنے معاشروں کے ارتقاء اور بقاء کے جو سنہری اصول سمجھائے اور بتائے ہیں، وہ واقعتاً قوموں کا دھارا پستی سے بلندی کی طرف پھیر دیتے ہیں، اوامر و نواہی کا حکم اور اس کی ترغیب دینا انبیاء کرام کی سنت ہے، اور تمام انبیاء کرام fنے اپنی اپنی امت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیا۔گزشتہ سطور میں جتنے بھی انبیاءfکا ذکر کیا گیا ہے ان کی تعلیمات کا مقصد خیر خواہی اور لوگوں کو اللہ کی اطاعت میں لگا کر فائدے کی طرف بھیجنا تھا، اسی طرح اللہ کی نافرمانی سے بچا کر دنیاوی و اخروی نقصان سے بچانا اور پیچھے ہٹانا تھا۔

قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرنے کے نتیجے میں نہ صرف دنیا میں امن و سکون، عدل و انصاف، دیانت و امانت، سچائی اور شرافت، نیکی اور ایمان کا دور دورہ ہو گا بلکہ آخرت میں اس قدر بے حد و حساب اجروثواب ہو گا جس کا اس دنیا میں اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

---

[1] ابن تیمیہ، تقی الدین ، ابو العباس، احمد بن تیمیہ الحرانی، "الحسبۃ فی الاسلام" دارالکتب العربی، بیروت۔لبنان، ص:۵۷

[2] قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری، ""الجامع الاحکام القرآن"، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان، ج:۲، ص:۳۱

[3] آمدی، سیف الدین ابو الحسن علی بن ابی علی بن محمد الآمدی، "الاحکام فی اصول الاحکام" مطبعۃ المعارف، مصر،ج:۱، ص:۳۰۸

[4] رازی، فخر الدین محمد، امام، "مفاتیح الغیب"،دارالکتب العلمیۃ، بیروت،لبنان، ج:۴، ص:۱۵۷

[5] رشید رضا، رشید رضا، سید محمد ، "تفسیر القرآن الحکیم (تفسیرالمنار)"،دارالمنار مصر، ج:۴، ص:۳۲

اگر کسی گھر میں والدین اپنی اولاد کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں، نماز روزے کا پابند بناتے ہیں، سچ بولنے کی عادت ڈالتے ہیں، حلال پر قناعت کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، بڑوں کا ادب و احترام کرنا سکھاتے ہیں، دیانت و امانت کا سبق دیتے ہیں، حلال اور حرام کا شعور عطا کرتے ہیں، نیز ہر طرح کے منکرات جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، چوری چکاری، بددیانتی، لوٹ کھسوٹ اور خیانت سے نفرت پیدا کرتے ہیں تو یہی اولاد آگے اپنی اولاد کو اور وہ آگے اپنی اولاد کو یہ تعلیم دے گی، اس تعلیم و تربیت کا سلسلہ نسل در نسل جہاں تک اور جب تک چلتا رہے گا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان تمام نسلوں کے نیک اعمال کا اجروثواب ابتداءً نیک تربیت کرنے والے والدین کے نامہ اعمال میں شامل کرتے چلے جائیں گے، خواہ ان کی تعداد ہزاروں، لاکھوں یا کروڑوں سے بڑھ کر اربوں تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے جبکہ خود عمل کرنے والوں کے اجروثواب میں سے کسی طرح کی کمی نہیں کی جائے گی۔

یہ ارتقائی عمل اور بقاء کی طرف رواں دواں عمل خود اپنی ذات سے شروع کرنا چاہیے اور یہ سلسلہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک دیگر افراد تک پہنچ جائے، لیکن اپنی ذات کو اس منصب اور فریضے سے فراموش نہ کرے، یہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ اپنی اصلاح پر یا تو بالکل توجہ نہیں دیتا یا پھر کم ہی توجہ دیتا ہے لیکن جی جان سے یہ کوشش کرتا ہے کہ دوسروں کی ہر قیمت پر اصلاح کرے، ایسے شخص کی مثال یوں ہی ہے کہ اپنی جیب میں کھوٹے سکے سنبھال کے رکھے اور دوسروں کو کھرے سکے تقسیم کرے، قرآن کریم میں ان لوگوں کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

{اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ}[1]

”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے“۔

اس ضمن میں قرآنی مضامین کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ذات کو اصلاحی پہلوئوں سے کنارہ کش کرنا، خود کو اصلاحِ احوال سے بریٔ الذمہ قرار دینا کسی بھی طور پر جائز نہیں، بلکہ اپنی ذات سے اس مقدس فریضے کی شروعات کرتے ہوئے تکمیل کی منازل طے کرنی چاہئیں، قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا}[2]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ آگ سے اپنی جانوں کو اور اپنے اہل کو“۔

یعنی پہلے اپنے آپ کودائرۂ شریعت میں لانے، اطاعتِ الٰہی میں لانے کا حکم ہے اس کے بعد اپنے اہلِ خانہ کواور تیسرے نمبر پر گھر سے باہر والوں کو، اہل میں بیوی کے علاوہ بچے بھی شامل ہیں، آیت کی رو سے اہل ایمان مردوں پر جس طرح اپنی بیویوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کرنا واجب ہے اسی طرح اپنی اولاد کو بھی آگ سے بچانا فرض قرار دیا گیا ہے، اولاد کے حوالے سے دونوں میاں بیوی (یعنی والدین) پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کریں۔

اسی پہلو کی قرآن مجید میں حضرت اسماعیلdکے حوالے سے تعریف بیان کی گئی ہے:

{وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا}[3]

”اسماعیل اپنے گھروالوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور (اسی وجہ سے) وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے“۔

اولاً اپنی ذات کا محاسبہ، ثانیاً اپنے اہل خانہ خاندان والوں کو اور ثالثاً معاشرے کے دیگر افراد کا، یعنی جن لوگوں سے اس کی باہمی رفاقت ہے، میل جول ہے، شراکت داری ہے یا پھر کسی بھی قسم کا تعلق ہے، ان کو نواہی کا حکم بعد میں ہے۔تب ہی اس فریضے کی انجام دہی کا حق ادا ہوتا ہے اور تب ہی انسان دنیاوی امن و چین کو حاصل کر سکتا ہے، تب ہی صحیح معنوں میں معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ دینی نشرواشاعت کی جا سکتی ہے، تب ہی معاشرتی فتنہ و فساد کی بے ہنگم فضا کو ختم کیا جا سکتا ہے، تب ہی ظلم و زیادتی اور انصاف کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرکے غیر منصفانہ نظام اور اقدار کو منصفانہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] البقرۃ، ۲:۴۴

[2] التحریم، ٦٦:٦

[3] مریم، ۱۹:۵۵